

قسط نمبر ۱۱

جناب مولانا عبد الرحمن کیلانی

○ اسلامی نظامِ معیشت ہیں سادگی اور کفایت شعار کا مقام

موجودہ معاشی مصائب کا واحد حل سوشلزم نہیں اسلام ہے!



اسلامی نظامِ معیشت ایک مستقل نظام ہے۔ جس کی جزئیات پر آئندہ (ان شاء اللہ) بالتفصیل لکھنے کا ارادہ ہے۔ اس صحبت میں ہم اسلامی نظامِ معیشت کی صرف ایک شق (سادگی اور کفایت شعار) پر بحث کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اس نظام کے کسی ایک جزو پر ہی عمل کر لیا جائے تو ایسے فوائد کثیر اور برکاتِ دافرم سے ہم اپنا دامن بھر سکتے ہیں جن کا حصول کسی دوسرے نظام کو مکمل طور پر اپنا لینے کے بعد بھی ناممکن ہے۔۔۔!

موجودہ دور میں جو لوگ "سوشلزم ہماری معیشت ہے" کا نعرہ نگاہے ہیں، ان کی خدمت میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ "سوشلزم" تو بذاتِ خود ایک مستعار نظام ہے جس کی نظریاتی بنیاد "اسلامی مساوات" پر رکھی گئی ہے اور اگر کہیں نظریہ کے ساتھ ساتھ اس کا طریق کار اور لائحہ عمل بھی اسلامی مساوات کے اصولوں کے تابع ہوتا تو ہم کم از کم اسے اسلامی نظامِ معیشت کا ایک حصہ سمجھ کر ہی اپنالینے میں کوئی باک محسوس نہ کرتے۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ "سوشلزم" کا طریق کار اور لائحہ عمل بالکل اسلامی مساوات کے تقاضا کے برعکس ہے۔

کہ اس کا نظریہ بھی (جو اپنی اصلی حالت میں شاید درست ہوتا) باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلامی نظام حیات کے ہر پہلو نے، غیر مسلموں سے، ہر دور میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ اگرچہ اپنی دہائی اسلام دشمنی کے پیش نظر انہوں نے ہمیشہ اس نظام کو اس کی اصلی حالت میں اور اسی نام سے اپنا لینے میں اپنی ہنگامہ خیزی کی ہے۔ تاہم عرب کے وسیع ریگزاروں سے چھوٹے واسے برکات و محاسن کے ان سرچشموں سے محروم رہنا بھی ان کے لئے بے حد مہربان و مہربانہ پوری اسلامی دنیا کو سیراب کر رہے تھے، اس لئے انہوں نے اس نظام کے بعض حصوں کو، ان میں تھوڑی بہت تخریف کر کے اور اپنی طرف سے کوئی نیا نام دے کر اپنایا۔ سوشلزم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور اگر یہ درست ہے (اور یقیناً درست ہے) تو ان لوگوں کی حالت پر رحم آنے لگتا ہے جو اپنے گھر کے پیش قیمت خزانوں سے آنکھیں بند کر کے انبار لگی جھولی کے خیراتی ٹکڑیوں کی طرف پلٹائی ہوئی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں مصنف نے اسلامی نظام معیشت کے چند ایک پہلوؤں کو اجاگر کر کے جہاں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ نظام ہمارے لئے رحمت کی گھاٹوں کو پیغام لا سکتا ہے وہاں یہ بھی واضح کیا ہے کہ سوشلزم ایک ایسی آندھی ہے جس میں چھپی ہوئی جلیاں ہماری زینت کو جلا کر راکھ کا انبار بنا سکتی ہیں۔ (اکرام اللہ صاحب)

اسلامی نظام معیشت کا ایک اہم اصول سادگی اور کفایت شعاری ہے۔ جس طرح اسلام کسب حلال پر زور دیتا ہے اور ہر حرام ذریعہ سے آمدنی حاصل کرنا ناجائز قرار دیتا ہے اسی طرح (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر) اپنی حلال کمائی کو ڈھنگ سے خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے خرچ کرنے میں جو اہم اصول پیش نظر رکھنے کی تلقین ہے وہ اقتصاد ہے جسے دوسرے لفظوں میں ہم اعتدال کا نام دے سکتے ہیں۔ یعنی اپنی ہر جائز ضرورت پر پورا پورا خرچ کرنا کہ نہ تو بخل سے کام لیا جائے اور نہ ہی تعیشت پر خرچ کیا جائے۔ اسلام کی نظر میں یہی پسندیدہ ہے۔ مومنوں کی صفت قرآن کریم میں یہ بیان کی گئی ہے :

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يَسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا

کہ (ایماندار لوگ وہ ہیں) جو خرچ کرتے وقت نہ تو فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی

بخل سے کام لیتے ہیں :

اسلام نے امت مسلمہ کو "امۃ مقتصدۃ" (رافراط و تفریط سے بہت کر دمیانی راہ پر چلنے والی امت کے نام سے یاد کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"خبیذ الامور واساطھا"

کنیز چیزیں کام میانہ روی ہے

لہذا اگر کوئی شخص اپنے حق سے زیادہ لینے کی کوشش کرے تو اسلام کی نظر میں یہ خود غرضی اور لالچ ہے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو باعثِ فساد اور انسان کو ظلم کی راہ پر گامزن کرنے والی ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ زر زن اور زمین دنیا میں بھگڑے اور فساد کی جڑ ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو ان سب میں بھی خود غرضی ہی جڑ و مٹرک نظر آتی ہے۔ ہو یہ خود غرضی ایسی چیز ہے جو انسان کو اسراف (یا بسا اوقات بخل) کا عادی بنا دیتی ہے جسے قرآن کریم میں نہ صرف ممنوع قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کے مرتکب افراد کو "اخوان الشیاطین" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"وات ذاقعدی حقہ والمساکین وابن المسبیل ولا تبذروا ما منہم یرا۔ ان المیزین
کانوا اخوان الشیاطین وکان الاخوان لرحم کفورا"

"رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو
کیونکہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے"

اسلام اس حد تک اجازت تو دیتا ہے کہ انسان اپنا حق وصول کر لے لیکن اس سے زیادہ نہ لے نہ لینے کی کوشش کرے۔ یہی چیز عدل ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے حق سے کھینچ دینے دار ہو جائے تو دنیا میں مادی ترقی کی رفتار ختم ہو کر رہ جائے اور اسلام اسے "ربہانیت" کا نام دیتا ہے جو اس کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اختیار رکھنے کے باوجود بھی اپنا حق کم وصول کرے یا اپنے دوسرے بھائی کو زیادہ دے دے تو یہ اثم ہے۔

کفایت شعاری کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات پر کم خرچ کرے اور خودیچت کر کے اپنے سے مفلس لوگوں کی طرف وہ بچت منتقل کرے تاکہ خود غرضی کا قلع قمع ہو اور انبیا کی عادت برطسے۔ اور اس اشارہ کا بلند تر درجہ ہے کہ انسان اپنی ضرورت کو بھی پس پشت ڈال کر

دوسرے بھائی کی ضرورت پوری کرے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

”يُثْرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“

کہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ وہ محتاج ہوں۔

یہی بات کہ اپنے جائز حق کی تعیین کیا ہو تو اس کے متعلق قرآن مجید کا حکم نہ ارشاد

یہ ہے:

”بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ“

کہ انسان خواہ کتنی ہی معذرتیں کرے، وہ اپنے نفس (کے معاملات) کو

خوب پہچانتا ہے۔

انسان کا ضمیر اس کے اپنے حق میں بالکل جائز اور درست فیصلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ انسان

اس ضمیر کو مسخ کر کے ڈھیسٹ پن کا ثبوت نہ دے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات عیاں ہے کہ انبار کا سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ معاشی

اور معاشرتی طور پر، گہرا تعلق ہے۔ تاریخ اسلام میں سے متعدد مثالیں کفایت شعاری کے متعلق پیش کی جاسکتی ہیں۔

جنگ احزاب کے بعد مسلمان مالی غنیمت کی وجہ سے پہلے کی نسبت کافی آسودہ حال ہو گئے

تو دیگر مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ازواج مطہرات نے بھی زیورات اور نمان نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ

کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مطالبہ سے سخت کٹھن محسوس ہوئی اور آپؐ پر سے ایک

ماہ کے لئے گھر سے مسجد کے بالا خانے میں منتقل ہو گئے۔ تمام صحابہ کرامؓ اس صورت حال سے سخت

پریشان تھے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنی بیٹیوں حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کو الگ

الگ سمجھاتے تھے مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ بالآخر خدائی احکام نے اس تنازعہ کا دو ٹوک فیصلہ کر دیا۔

اور یہ آیات نازل ہوئیں:

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُن تَرْضَوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَفِي تَرْكِهَا قُعَالِيْنَ

أَمْتَكُنْ وَاسْتَحْكُمْنَ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِن كُنْتُن تَرْضَوْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْآثِرَ

الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ لِمَحْسَنَاتِكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا“ (الاحزاب: ۳۴)

کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی ازواج (مطہرات) سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیا

اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقہ سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکو کار ہیں اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

اب ازواجِ مطہرات کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہے تو سامانِ دنیا سے یس پھر انہیں مناسب طریقہ پر ان کے گھروں کو روانہ کر دیا جائے گا اور چاہے تو تنہی کر تم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے مطابق ان کے ساتھ ساوگی سے زندگی بسر کریں۔ غور فرمائیے، کیا ازواجِ مطہرات، اہمیتِ انمولہ میں کا یہ مطالبہ ناجائز تھا؟ خصوصاً جبکہ اکثر مسلمان آسودہ حال ہو چکے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالغانہ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے، کیا دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پتوں سے بنی ہوئی عاف پر لیٹے ہوئے ہیں اور انہی پتوں سے بھرا ہوا تیکہ ہے۔ حضرت عمرؓ کو بھی آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ جسمِ مبارک پر صف کے نشان پڑ گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس منظر سے آبِ دیدہ ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (فدا دینی و امی) قیصر و کسریٰ تو اللہ کے بانی ہو کر عیش کریں اور آپؐ اللہ کے رسول ہو کر بھی اتنی پر مشقت زندگی بسر کریں۔ کیا ہم آپؐ کے لئے بھی قیصر و کسریٰ کا سامانِ راحت نہ مہیا کر دیں۔ لیکن آپؐ نے ”الفقر فضی“ کہہ کر اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جبکہ مدینہ میں اسلامی سٹیٹ قائم ہو چکی تھی، عرب کا کافی حصہ حلقہٴ بگوشِ اسلام ہو چکا تھا اور آپؐ کی قیادت میں نظامِ معیشت بھی کافی مستحکم اور مضبوط ہو چکا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر غنیمت سے حاصل ہونے والے غلام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے ہیں۔ آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ وہاں تشریف لاتی ہیں اور اپنے والدِ محترم کو اپنے اچکی پیس پیس کر اور پانی ڈھونڈھو کر گئے ہوئے ہاتھ دکھا کر عرض کرتی ہیں کہ مائی غنیمت میں سے سب کو حصہ مل رہا ہے تو ایک غلام مجھے بھی عنایت فرما دیجئے لیکن آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو خالی ہاتھ واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ گھر پر میرا انتظار کرنا۔ بعد ازاں آپؐ وہاں سے فراغت پا کر اپنی صاحبزادی کے گھر پہنچے اور فرمایا:

”بیٹا! کیا میں تمہیں ایسا وظیفہ نہ بتاؤں جو غلام حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ تم ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۳ بار اللہ اکبر رات کو سوتے وقت پڑھ لیا کرو۔“
نور فرمائیے، آخر یہ سب کفایت شعاریاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور اپنے گھروالوں پر کیوں لازم قرار دے رہے ہیں؟

اسی طرح ایک دفعہ آپؐ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو ایک پردہ پڑا ہوا دیکھ کر فوراً واپس چلے گئے اور فرمایا کہ انسان درود یوار کی نسبت کپڑے کے زیادہ حقدار ہیں۔
غلطائے راشدہ کے دور سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو اپنے گزارہ کے لئے بیت المال میں سے ایک متوسطہ درجہ کے مزدور کا روزانہ یعنی چار درہم کی رقم یعنی منظور کی۔ ایک دن آپؐ کی اہلیہ محترمہ نے اس قلیل رقم میں سے کچھ بچت کر کے حلوہ پکایا تو آپؐ نے پوچھا کہ اس حلوہ کے لئے پیسے کہاں سے آئے؟ اور جب بیوی نے صورت حال سے آگاہ کیا تو آپؐ نے اپنا روزانہ کم کر دیا۔ یہ اسی شخص کا حال ہے جو خلافت سے پہلے کڑے کا ماجر تھا اور آپؐ کا شمار متمول لوگوں میں ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی سادگی سب سے بڑھ کر ہے۔ قیصر روم کا سفیر آپؓ سے ملنے کے لئے آیا۔ لوگوں سے پوچھا، تمہارے خلیفہ کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ بیرون شہر فلاں درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ دیکھا تو ایک معمول آدمی تنگی زمین پر لیٹا سو رہا ہے۔ سمجھا کہ شاید لوگوں نے مجھے غلط پتہ دیا ہے دوبارہ جاکر پوچھا، اس دفعہ بھی اسے وہی خبر دی گئی۔ وہ اسی درخت کی طرف واپس آیا اور حضرتؓ کو بیدار پایا۔ جب آپؐ سے اس کی آنکھیں چار ہوئیں تو مختصر کاٹنے لگا۔ اب اسے یقین آیا کہ یہی عمرؓ ہیں جو مملکت اسلامیہ کے سربراہ ہیں جن کی بیعت سے قیصر روم وہاں بیٹھا بھی کانپ اٹھتا ہے۔ لیکن سادگی کا یہ عالم ہے کہ ۲۲ لاکھ مزاج میل کے وسیع و عریض رقبہ پر حکم چلانے والے خلیفہ کی قمیص میں ۱۲ پیوند لگے ہوئے ہیں اور تکیہ کا کام اپنے ذرہ سے چلا رہے ہیں۔

آپؐ کے عہد خلافت میں بیت المقدس پر چڑھائی ہوئی اور عیسا کی محصور ہو گئے۔ محاصرہ نے طویل کھینچا تو عیسائیوں نے اسلامی سپہ سالار سے مطالبہ کیا کہ اپنے خلیفہ کو بلاؤ، ہم ان کے ساتھ معاہدہ کریں گے۔ اس مطالبہ پر آپؐ اس سفر پر روانہ ہو گئے۔ سفر میں ایک اونٹ اور ایک غلام آپؐ کے ساتھ تھا۔ اونٹ پر ماری ماری سفر کرتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ جب بیت المقدس

دہنچے تو اپنی باری کے مطابق غلام اونٹ پر سوار تھا۔ اسی عالم میں شہر میں داخل ہوئے۔ جیسا کہ
نے جب یہ منظر دیکھا کہ خلیفہ گھوڑے کی باگ تھامے پیدل چلا آ رہا ہے اور غلام اونٹ پر سوار
ہے تو انہوں نے بغیر کسی بات چیت کے اطاعت قبول کر لی۔ دراصل وہ یہی کچھ دیکھنا چاہتے
تھے کہ فاتح بیت المقدس کی جو علامات ان کی کتابوں میں درج ہیں، آیا وہ خلیفہ عمرؓ میں موجود
ہیں یا نہیں؟ اور جب آپ کو دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا تو فوراً اطاعت قبول کر لی۔

بصرہ کے والی گورنر نے اپنے لئے پختہ مکان بنوایا اور ایک ڈیوڑھی بھی بنوالی۔
آپ کو اس خبر سے تنگی محسوس ہوئی۔ آپ نے قاصد بھیج کر اسے یہ ہدایت کی کہ وہاں پہنچ کر گورنر
کو کچھ کہے بغیر اس کے مکان کو آگ لگا دینا۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔
ایک گورنر کے متعلق شکایت ملی کہ اس نے دروازے پر دربان رکھ لیا ہے۔ آپ نے
اس گورنر کو اسی جرم کی پاداش میں معزول کر دیا۔

اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور کی طرف آئیے۔ جو خلافت سے قبل بڑے ہی
خوش پوش تھے۔ ہر روز نئی پوشاک بدلتے تھے اور نہایت قیمتی گھوڑوں کی سواری کرتے
تھے۔ لیکن خلافت کے بعد انتہائی سادگی کو اپنایا، اپنی ساری جاگیریں بیت المال میں جمع
کر دیں اور ان کی دستاویزات بھاڑ کر چھینک دیں۔ اپنی بیوی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا، میرے
ساتھ رہنا ہے تو سارا زیور اور سارا قیمتی سامان بیت المال میں جمع کرانا ہو گا ورنہ اپنے بیکے
چلی جاؤ۔ اس پر اس وفا شعار بیوی نے اپنا سب کچھ بیت المال میں جمع کر دیا اور خود سادگی
سے رہنا منظور کر لیا۔ ایک دفعہ ایک غریب عورت ان کے گھر آئی اور عرض کیا، مجھے دو
بیٹیوں کا نکاح کرنا ہے۔ بیت المال سے میرے مالی تعاون کے لئے خلیفہ سے سفارش
کیجئے۔ اس عورت نے دیکھا کہ گھر میں ایک شخص پائی کے لئے کہل تیار کر رہا ہے اور تقاضا
حضرت فاطمہؓ کو دیکھ بھی لیتا ہے۔ اس عورت نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ یہ کون ہے جو
آپ کو اس طرح گھوڑے پر دیکھتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ یہی تو خلیفہ الملین
ہیں۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؓ عورت کی عرض تو پہلے ہی سن چکے تھے۔ اس کی امداد کے لئے
آرڈر رکھ دیا۔ وہ بہت ممنون ہوئی اور خوشامد کر کے کچھ مزید امداد کا مطالبہ کر دیا جس سے
آپ نے یکسر انکار کر دیا اور فرمایا، ”میرے جو کچھ میں نے دیا تھا، محض اللہ کی رضا کے لئے

تھا اور اب میں اپنی خوشامد کے عوض مسلمانوں کا مالی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

کیا یہ چند ایک واقعات اسلامی زندگی کا پہلو نہیں؟ یہ پہلو آج کل کہاں نظر آتا ہے؟ اور اگر نظر نہیں آتا تو کیا واقعی یہ یکسر فراموش کر دیئے جانے کے قابل ہے؟ کیا یہ طرز عمل اسلام نے صرف امرا اور حکام کے لئے مخصوص رکھا ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ "الناس علی دین ملوکہم" کے مصداق عوام اپنے امرا کی دیکھا دیکھی اور امرا، مندرجہ بالا امثلہ کی روشنی میں، سادگی اور کفایت شعاری کو اپنائیں تو معاشرہ سے بے شمار برائیاں مثلاً رشوت، چوری، ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور بددیانتی وغیرہ ختم ہو سکتی ہیں۔ تاہم انفرادی طور پر بھی کفایت شعاری کے فوائد کچھ کم نہیں۔

اس کے برعکس اگر ایک شخص اپنی آمدنی کے لحاظ سے یا اس سے بڑھ کر اپنی خوراک یا رہائش وغیرہ پر نمائش کے لئے خرچ کرتا ہے تو کیا اس سے نچلے طبقے کے لوگ "ریس" کا شکار ہو کر یہی کچھ کرنے کی کوشش نہ کریں گے جبکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ "لا یسئم الانسان من دعاء الخیر" (انسان کبھی بھلائی کی دعا مانگتے نہیں تھکتا) لہذا ہر شخص سامان نعیش کے حصول کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ ضرور استعمال کرے گا جس کے نتیجہ میں معاشرہ میں ایسی ہی برائیوں کا رواج پاجانا ناگزیر ہے، جن کا آج ہم شکاریں۔

جاری ہے

تصحیح

ستمبر ۴، ۶ کے شمارہ میں صفحہ ۴۸ پر "غازی ٹوڑھ پاؤڑ" کا اشتہار طبع ہوا تھا، اس میں "فارمولا جارج اینٹونوف" کے بجائے "فارمولا ڈاکٹر جارج اینٹونوف" پڑھا جائے۔

(مینج)